رؤف پاریکھ*

لسانی مطالعات کی تاریخ: ایک مختصر جائزہ (ابتدا تا اٹھارھویں صدی)

Abstract:

The History of Linguistic Studies: A Brief Review (from the Beginning to the Eighteenth Century)

The earliest relic that shows humankind's interest in language is a glossary of words prepared in Mesopotamia some 5,500 years ago. This article describes in brief the history of linguistic studies since its inception and traces it from the earliest to the eighteenth century. It narrates the studies related to language that were taken up in different eras and different parts of the world, such as Mesopotamia, ancient India, Iran, China, the Arab world and the West. Though today the West is way ahead of the rest of the world when it comes to linguistics, the article attempts to show that this glory could not have been achieved without the early efforts carried out by scholars in eastern parts of the world, notably India where the earliest known grammar of Sanskrit was written by Panini.

Keywords: linguistics, philology, Mesopotamia, Persia, Arabia, Greece, Rome.

آغاز سے پہلے یہ وضاحت ضروری ہے کہ یہاں لسانیات (linguistics)، جسے زبان شناسی بھی کہا جاتا ہے، کی تاریخ اور لسانی و لسانیاتی مطالعات کی تاریخ سے مراد کسی ایک یا کسی خاص زبان کی تاریخ نہیں ہے بلکہ لسانی مطالعات کی تاریخ سے مراد ہے یہ جائزہ کہ انسان نے زبان کا باقاعدہ مطالعہ کب شروع کیا؟ دنیا کے کن خطوں میں اور کن زمانوں میں لسانی مطالعے کیے گئے ؟ علمِ لسانیات کا باقاعدہ آغاز کیسے اور کب ہوا؟ اور لسانیات کا علم کن راہوں سے گزر کر یہاں تک پہنچا ہے[1]۔ انھی سوالات کے مختصر جوابات ہم اس مقالے میں لسانیات کی تاریخ کے جائزے کے ذریعے تلاش کرنے کی کوشش کریں گے۔ اگرچہ یہ موضوع اتنا وسیع ہے کہ ایک مختصر مقالے میں ان سوالات کا مکمل جواب دینا مشکل ہے، تاہم کوشش ہے کہ اہم نکات کا ذکر یہاں ہوجائے۔

لسانی مطالعات کا آغاز

زبان سے متعلق مطالعات کا باقاعدہ آغاز یوں تو تقریباً ڈھائی ہزار سال قبل یونان میں ہوا لیکن زبان اور اس سے متعلق مسائل و مباحث کا بے قاعدہ آغاز تو اسی وقت ہوگیا تھا جب انسان زبان کے عملی استعمال میں مسائل اور سوالات سے دوچار ہوا اور اس نے زبان میں دل چسپی لینی شروع کی ۔اس دل چسپی کے ثبوت کے طور پر ملنے والے ابتدائی نقوش آج سے کوئی چھ ہزار سال پہلے کے ہیں۔ زبان میں انسان کی دل چسپی کی وجوہات میں، جیسا کہ ہم اس مقالے میں آگے چل کر دیکھیں گے، مذہبی متون کی تفہیم وتفسیر بھی تھی ، فلسفے ومنطق کے سوالات بھی اور ذخیرۂ الفاظ اور بیان و بدیع کا مطالعہ بھی[۲]۔ اس دل چسپی کی وجہ سے دنیا کے مختلف قدیم تہذیبی مراکز، مثلاً قدیم عراق،قدیم ایران، یونان، ہندوستان، چین اور عرب وغیرہ، میں لسانیاتی مطالعات کا آغاز ہوا۔ ان مراکز نے اپنے اپنے طور پر کچھ کامیابیاں حاصل کیں۔

اگرچہ آج مغرب لسانیاتی مطالعات میں سب سے آگے ہے لیکن یورپ میں کیے گئے ابتدائی لسانیاتی مطالعات درحقیقت دنیا کے دیگر خطوں میں کیے گئے قدیم لسانیاتی نظریات و مطالعات سے بھرپور فائدہ اٹھانے کے بعد ہی آگے بڑھ سکے تھے۔ بلکہ یورپی یا مغربی لسانیات آج ترقی کی جس منزل پر کھڑی ہے اس منزل کا حصول دیگر علاقوں بالخصوص مشرقی خطوں کی اپنی آزادانہ اور انفرادی کاوشوں سے استفادے کے بغیر مغرب کے لیے ممکن نہ تھا[۳]۔ خاص طور پر قدیم یونان میں لسانیات کی فلسفیانہ بنیادیں رکھنے میں یونانی فلاسفہ نے جو کام کیے اور ہندوستان میں سنسکرت کے ماہرین نے قواعد اور صوتیات پر جو کام کیے انھی کی بنیاد پر لسانیاتی مطالعات کا سلسلہ آگے بڑھا ۔نیز بعض دیگر خطوں کی لسانیاتی روایات کے کئی دھارے یورپی لسانیاتی سائنس میں بہتے نظر آتے ہیں[۴]۔

لسانی مطالعات قدیم عراق میں

لسانیات کی تاریخ اور لسانی مطالعات کی جڑوں کی تلاش میں ہم ذخیرۂ الفاظ ،قواعد اور تلفظ کے مباحث کے آغاز تک پہنچتے ہیں۔ لسانی مطالعات کے آغاز کی قدیم ترین صورت الفاظ کی ایک فہرست ہے جو قدیم عراق یا میسوپوٹیمیا (Mesopotamia)[۵] میں تیار کی گئی تھی۔لیکن یہاں یہ سوال بھی اٹھتا ہے کہ انسان نے لکھنا کب اور کیسے شروع کیا کیونکہ الفاظ کی یہ قدیم ترین فہرست جو دریافت ہوئی ہے اور جو بابل میں تقریباً پانچ ساڑھے پانچ ہزار سال قبل بنائی گئی تھی (اور جسے بعض ماہرین دنیا کی اولین لغت بھی قرار دیتے ہیں)، اس خط میں ہے جسے میخی خط (cuneiform) یا خطِ اوتاد کہتے ہیں۔ یہاں فن تحریر اور اس کی تاریخ پر کچھ کہنا ناگزیر ہوجاتا ہے کیوں کہ لسانیات کی تاریخ کا ایک اہم جزو تحریر کی تاریخ ہے۔لیکن مسئلہ یہ ہے کہ بعض سوالات ایسے لاینحل ہیں جن کی وجہ

سے فنِ تحریر کی ابتدا اور اس کے ارتقا کی تاریخ میں آج بھی کہیں کہیں کچھ خلا نظر آتے ہیں[۵]۔

مختصراً یہ کہ رسم الخط کی ایجاد سے پہلے زبان کی تحریری صورت کا آغاز تصویری رسم الخط (pictogram) سے ہوا جس میں حروفِ تہجی کی بجائے تصویریں بنائی جاتی تھیں[۷]۔ اگلے دور میں تصویری خط ارتقا پا کر تصوّری رسم الخط یا تمثالی رسم الخط (ideogram) میں تبدیل ہو گیا اور تصویر بنانے کی بجائے علامات سے کام لیا جانے لگا۔ گویا تحریر کی ابتدا خیال یا تصور (idea) کو تصویر کی مدد سے بیان کرنے سے ہوئی اور پھر تصویریں علامات کی شکل میں ڈھل گئیں کیونکہ تصویر بنانا دقّت طلب بھی تھا اور وقت بھی اس میں زیادہ لگتا تھا۔ لیکن تصویروں کی طرح اشکال و علامات بنانا بھی طویل اور دقّت طلب تھا چنانچہ رفتہ رفتہ علامات حروف میں ڈھلنے لگیں اور رسم الخط کی صورت میں آ گئیں[۸]۔ دنیا کا قدیم ترین رسم الخط، جیسا کہ سطورِ بالا میں ذکر ہوا، میخی خط (cuneiform) سمجھا جاتا ہے۔ میخی خط کو پیکانی خط بھی کہتے ہیں جو پیکان (بہ معنی نیزے یا تیر کی نوک) سے ہے۔ اسے خطِ اوتاد بھی اسی لیے کہتے ہیں کہ یہ اوتاد (اوتاد جمع ہے وتد کی، وتد بہ معنی کھونٹا یا میخ) کی مدد سے عبارت لکھنے کا ایک طریقہ تھا۔ میخی خط کا ایک نام پیکانی خط کے علاوہ مسماری خط بھی ہے کیوں کہ مسمار میخ اور کیل کو کہتے ہیں[۹]۔ میخی خط کے آثار سمیریوں (Sumerians) نے چھوڑے ہیں جو تین ہزار پانچ سو سال قبل مسیح کے لگ بھگ یعنی آج سے تقریباً ساڑھے پانچ ہزار سال قبل کے قدیم عراق یا جنوبی میسوپوٹیمیا (جسے اردو میں بین النہرین بھی کہا جاتا ہے) کی ایک تہذیب تھی۔ میسوپوٹیمیا میں مٹی کی کچی اور نیم خشک تختیوں پر کیل یا میخ کو دبا کر حروف بنائے جاتے تھے اور ان تختیوں کو بعد میں آگ پر تپا کر پختہ کر لیا جاتا تھا[۱۰]۔ سمیریوں نے اس خط میں داستانیں، دعائیں، نظمیں، کہاوتیں اور یہاں تک کہ لغت بھی چھوڑی ہے[۱۱]۔ اس کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں کہ یہ دراصل الفاظ کی فہرست ہے اور یہ لغت یا لغت نما تحریر تختیوں پر لکھی ہوئی ہے[۱۲]۔ اگر اسے لغت مان لیا جائے تو یہ دنیا کی پہلی لغت شمار ہوگی۔ لغت کہیے یا فہرستِ الفاظ، بہرحال اس کا شمار دنیا کے قدیم ترین تحریری نقوش میں ہوتا ہے۔

بعد میں اس میخی خط کو عکادیوں (Akkadians)، اشوریوں (Assyrians) اور حیثیوں (Hittites) حتیٰ کہ مصریوں (Egyptians) نے بھی اپنا لیا[۱۳]۔ حالانکہ مصریوں کا اپنا رسم الخط ہیروغلیفی (Heiroglyphs) موجود تھا لیکن قدیم دور کے مصری ہم سایہ ریاستوں کو میخی خط میں سفارتی مکاتیب بھجواتے تھے اور ایک ہزار چار سو سال قبل مسیح میں میخی خط تجارت اور سفارت کاری کے لیے بین الاقوامی رسم الخط بن چکا تھا[۱۴]۔ گویا ابتدائی لسانی مطالعات کا قدیم ترین سراغ قدیم عراق کی تہذیب (جس کے آثار جنوبی میسوپوٹیمیا میں پائے گئے) اور اس کے بعد کے ادوار میں ملتا ہے۔

میخی خط قدیم ایران میں

میخی خط قدیم ایران میں بھی استعمال ہوا لیکن یہ سمیریوں (Sumerians) اور عکادیوں کے میخی خط سے مماثل ہونے کے باوجود کچھ مختلف تھا[۱۵]۔ قدیم ایران میں میخی خط کی مختلف شکلیں رائج تھیں اور قدیم ایران میں ہخا منشی دور کے بادشاہ داریوش اول (جو ۵۲۲ء قبل مسیح کے لگ بھگ تخت نشین ہوا) کے بنوائے ہوئے کوہِ بےستون کے نقوش پتھروں میں کندہ ہیں[۱۶]۔ ماہرین کے مطابق اس خط میں حروفِ تہجی کی بعض ابتدائی شکلیں بھی ملتی ہیں[۱۷] جنھوں نے آگے چل کر ارتقا پایا اور حروفِ تہجی کی شکل اختیار کرگئیں۔ میخی خط کے قدیم ایران میں مختلف شکلوں میں مستعمل ہونے اور پتھروں پر کندہ کیے جانے سے اندازہ ہوتا ہے کہ تحریر کا فن ترقی پذیر تھا اور دیگر علاقوں میں بھی پھیل رہا تھا۔

قدیم ہندوستان میں لسانی مطالعات

جنوبی ایشیا کی جدید زبانوں کے ارتقا سے بہت پہلے ان علاقوں میں لسانیاتی مطالعات کی روایت کا آغاز ہوگیا تھا جو آج ہندوستان اور پاکستان کے نام سے معروف ہیں[۱۸]۔ قدیم ہندستان میں پانینی (Panini) جیسا مفکرِ زباں اور قواعد نویس پیدا ہوا جس کی سنسکرت زبان کی قواعد کے بارے میں لیونارڈ بلوم فیلڈ (Leonard Bloomfield ۱۸۸۷ء-۱۹۴۹ء) جیسے بڑے ماہرِ لسانیات نے لکھا کہ یہ "one of the greatest monuments of human intelligence" یعنی انسانی ذہانت کی عظیم ترین یادگاروں میں سے ایک ہے[۱۹]۔ البتہ بلوم فیلڈ یہ بھی کہتا ہے کہ قواعد پر پانینی کی لکھی ہوئی اس کتاب، جو ہم تک پہنچنے والی اس موضوع پر قدیم ترین دستاویز ہے، کے پیچھے کئی نسلوں کی محنت ہوگی[۲۰]۔ چوتھی صدی قبلِ مسیح کے پانینی سے قبل کی گئی "نسلوں کی محنت" کا کوئی بہت زیادہ تفصیلی سراغ تو نہیں ملتا لیکن ابواللیث صدیقی نے لکھا ہے کہ پانینی نے اپنی اس قواعد میں اپنے کم از کم چونسٹھ (۶۴) پیش روؤں کا ذکر کیا ہے[۲۱]۔ سنسکرت زبان میں لکھی گئی پانینی کی یہ قواعد منظوم ہے اور اس کا نام "اشٹادھیائی" ہے[۲۲]۔ اس کے آٹھ حصے ہیں اور اسی لیے اس کا نام اشٹا دھیائی ہے ("اشٹ" یعنی آٹھ اور "ادھیایا" یعنی خطبہ)، اس میں آٹھ (۸) خطبات ہیں اور ہر خطبے کے چار (۴) پد یعنی حصے ہیں[۲۳]۔ پانینی کے کام کو اس کے بعد دیگر ماہرین مثلاً دوسری صدی قبل مسیح کے قواعد نویسوں کاتیاین (Katyayana) اور پتنجلی (Patanjali) نے آگے بڑھایا[۲۴]۔

پانینی جس گاؤں میں پیدا ہوا اس کا نام تکشلا تھا اور جو آج ٹیکسلا کے نام سے پاکستان کا حصہ ہے[۲۵]۔ پانینی کے زمانے کے بارے میں اختلاف ہے لیکن بیش تر محققین کا خیال ہے کہ اس کا زمانہ چوتھی صدی قبلِ مسیح کا ہے[۲۶]۔ پانینی نے آج سے تقریباً ڈھائی ہزار سال قبل اپنی سنسکرت کی منظوم قواعد "اشٹا دھیائی" میں صوتیاتی ولسانی موضوعات پر جس گہرے غور و خوض سے کام لیا ہے اس کی مثال نہیں ملتی[۲۷]۔

قدیم یونان میں

قدیم یونان کے فلسفیوں نے جن فلسفیانہ افکار کی بنیاد رکھی ان افکار نے آگے چل کر دنیا کی تہذیب اور بالخصوص مغربی تہذیب کو متاثر کیا۔ان فلسفیوں کے افکار ہی کی بنیاد پر مزید تحقیق اور ترقیوں نے قرونِ وسطیٰ (پانچ سے پندرھویں صدی عیسوی) تک ان علوم کو نکھارا۔ ان علوم میں فلسفہ تو شامل تھا ہی، ادب ، زبان، تنقید، طب، ہیئت، ریاضی، علمِ ہندسہ اورموسیقی بھی ان میں شامل ہیں[۲۸]۔

آج سے تقریباً ڈھائی ہزار سال قبل قدیم یونان میں زبان اور اس کے متعلقات کے باقاعدہ مطالعے کا آغاز ہوا۔ مغرب میں زبان اور لسانی مطالعات سے دل چسپی کا آغاز قواعد کے مطالعے سے نہیں بلکہ فلسفے کے مطالعے کے نتیجے میں ہوا۔اس میں اولین دل چسپی افلاطون (Plato۔چوتھی صدی قبل مسیح) نے لی۔ اپنی کتاب *Cratylus* میں اس نے بحث اٹھائی کہ نام (یا لفظ) conventional یعنی روایتی ہوتے ہیں یا natural یعنی فطری۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ آج بھی لسانیات میں زیرِ بحث آتا ہے کہ لفظ کے معنی من مانے یا الل ٹپ (arbitrary) ہوتے ہیں یا لفظ اور اس کے مفہوم میں کوئی خاص ربط ہوتا ہے[۲۹] (اس بحث کی تفصیل معنویات یعنی semantics کے ضمن میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے)۔

قدیم چین میں

دوسری صدی قبل مسیح میں چین میں بھی زبان کے متعلقات کے مطالعات کی ابتدا ہوئی۔قدیم چین کی ہین سلطنت (Han Dynasty) کے وقائع (جو تیسری صدی قبل مسیح کے اوائل میں قلم بند کیے گئے) لکھا ہے کہ آٹھ سال کی عمر کے بچوں کی تعلیم کا آغاز ہوتا ہے اور درس گاہ میں ان کو چھ (۶) ''فنون'' (arts) سکھائے جاتے ہیں اور ان میں سے پانچویں مرحلے پر'' حروفِ تہجی کے چھ (۶) اصولوں'' کا ذکر ہے ۔ یہ حروف تہجی لکھنے کے چھ (۶) مختلف انداز یا طریقوں پر مبنی تھے جن میں تصویری خط کے علاوہ آوازوں کو حروف میں ظاہر کرنے کے اصول بھی تھے[۳۰]۔ یہاں ان فہرست ہائے الفاظ (word books) کا ذکر بھی ضروری ہے جو چین میں دوسری صدی قبلِ مسیح اور اس سے قبل بھی موجود تھیں[۳۱]۔

رومن تہذیب اور لسانیات

لنگ وِسٹکس (linguistics) یعنی لسانیات کا لفظ انیسویں صدی کے آغاز میں استعمال ہونا شروع ہوااور اس کا صحیح اور ٹھیک مترادف قدیم دور میں موجود نہیں تھا[۳۲]۔لسانی مطالعات کا آغاز دراصل قواعدی مباحث سے ہوا اور قدیم دور کے قواعد نویس بالخصوص یونانی اور لاطینی کے قواعد داں ہی دراصل لسانیات کے اولین نقیب ہیں ، یہی وہ لوگ تھے جنھوں نے الفاظ کے درجات یا زمرے یاان کی قواعدی حیثیتیں طے کیں اور ان میں سے کئی ان قواعدی حیثیتوں سے قریب ہیں جو ہم آج

استعمال کرتے ہیں یعنی اسم ،فعل،ضمیر اور متعلق فعل (adverb) وغیرہ[۳۳]۔صرفی سطح پر بھی وہ اسی طرح کی تقسیم کرتے تھے جن سے ہم مانوس ہیں یعنی صیغے، گردانیں،تعداد (یعنی واحد جمع) یا تصریف نیز ان معاملات میں وہ اصول بھی قائم کرتے جن میں سے بعض واضح اور اکثر منتشر حالت میں ہیں[۳۴]۔ یونانی قواعد داں اپالونیئس ڈسکولس (Apollonius Dyscolus۔دوسری صدی عیسوی)اور رومی قواعد داں پریشن (Prescian۔چھٹی صدی عیسوی) وہ قواعد نویس ہیں جن کے ہاں نحو کے مسائل پر اظہار خیال ملتا ہے اور اسی لیے بسا اوقات لسانیات کی تاریخ کو قواعد کی تاریخ کے طور پر دیکھنے کا رجحان پیدا ہوتا ہے[۳۵]۔

عرب دنیا میں

قرونِ وسطیٰ میں عبرانی اور عربی زبانوں کے قواعد کے مطالعے کا آغاز ہوا۔سیبویہ کی مشہور تصنیف الکتاب فی النحو ، جو اس نے ۷۶۰ء میں لکھی، عربی زبان کی قواعد کو منضبط کرنے کی پہلی باقاعدہ کوشش تھی۔ یہ کتاب جوصرف الکتاب کے نام سے معروف ہے،بے شک عربی قواعد نویسی کی طویل تاریخ میں مستند ترین کتاب ہے اور سیبویہ کے بعد آنے والے نحویوں نے اس سے پورا فائدہ اٹھایا[۳۶]۔سیبویہ نے جس ذہانت سے عربی زبان کا تجزیہ کیا تھا وہ آج اس کی وفات کے بارہ سو (۱۲۰۰) سال بعد بھی عربی لسانیات کے ماہرین کے اذہان پر چھایا ہوا ہے[۳۷]۔ہم جانتے ہیں کہ ہر آواز صوتِ تکلم (speech sound) نہیں ہوتی کیونکہ بعض آوازیں (sounds) بعض زبانوں میں بے معنی ہوتی ہیں کیونکہ وہ اس زبان کے کسی با معنی لفظ میں استعمال نہیں ہوتیں، لہٰذا ان زبانوں میں یہ آوازیں صوتیہ یا فونیم (phoneme) نہیں مانی جاتیں(اگرچہ کسی اور زبان میں یہ آوازیں صوتیہ ہوسکتی ہیں ، جیسے ق اور غ کی آوازیں عربی کے صوتیے ہیں لیکن انگریزی کے نہیں ہیں ۔ اندازہ ہے کہ دنیا کی مختلف زبانوں میں دوسو(۲۰۰) صوتیے ہیں لیکن کوئی ایک زبان بھی ایسی نہیں ہے جس میں یہ سارے صوتیے وجود رکھتے ہوں)۔ سیبویہ تاریخ میں پہلا آدمی تھا جس نے آواز (sound) کے صوتیاتی اصولوں پر غور کیا۔ سیبویہ نے صوتیات (phonetics) اور علم الاصوات (phonology) پر جو بحث کی ہے اور سمعی صوتیات (auditory phonetics)اور تلفیظی صوتیات (articulatory phonetics) کا جس طرح تجزیہ کیا ہے اس سے وہ دنیا کے چند پہلے فطری ماہرینِ علمِ اصوات (phonologists) میں شامل ہوجاتا ہے[۳۸]۔

لیکن افسوس آج بھی بعض حضرات اردو کی قواعد لکھنے بیٹھتے ہیں تو آواز، لفظ ،حرف اور صوتیے (phoneme) میں کوئی فرق نہیں کرتے اور اردو بازار کے تجارتی ناشرین نے اردو قواعد پر جو ادھ کچری کتابیں شائع کی ہیں ان کو تو چھوڑیے ،بعض پروفیسر حضرات بھی آواز، حرف، لفظ اور صوتیے میں کوئی فرق روا نہیں رکھتے۔ مثلاً مقتدرہ قومی زبان (اب اس کا نام ادارۂ فروغ قومی زبان ہوگیا ہے) نے قواعد پر ایسی دو کتابیں شائع کی ہیں جن کے لکھنے والوں کو اس بات کا کوئی ادراک ہی نہیں ہے جو سیبویہ نے

کوئی بارہ سو سال پہلے لکھ دی تھی لہٰذا انھوں نے اکیسویں صدی میں بھی آواز، حرف، لفظ ، اصواتِ تکلم (speech sounds) کو ایک ہی لاٹھی سے ہانک دیا ہے حالانکہ یہ سب مخصوص مفہوم اور تصورات کے حامل الفاظ ہیں اور لسانیات اور قواعد میں ان سب کا الگ الگ ، مختلف و منفرد، طے شدہ اصطلاحی مفہوم ہے۔

لسانیاتی مطالعات اور فلولوجی (philology)

اٹھارھویں صدی کے اختتام پر کئی عالموں نے زبان کے مطالعے میں دل چسپی لینی شروع کی اور یہ تعداد اور دل چسپی اتنی بڑھی کہ زبان کے مطالعے کا سائنس کی ایک شاخ کے طور پر ظہور ہونا ممکن ہوگیا۔ اس مطالعے کا مرکزی نکتہ یہ تھا کہ سائنسی تحقیق کی مدد سے زبان کا تجزیہ کیا جائے[۳۹]۔اٹھارھویں صدی سے قبل مغربی دنیا میں لسانیات کے مطالعے سے دل چسپی بیشتر یا تو فلسفیوں کو تھی یا ان قواعد نویسوں کو جو زبان کے مخصوص اور محدود استعمال (جو ان کے نزدیک ''درست'' تھا) پر زور دیتے تھے[۴۰]۔لیکن ۱۷۸۶ء میں سر ولیم جونز (William Jones۔۱۷۴۶۔۱۷۹۴ء)نے اپنے ایک مقالے میں ثابت کیا کہ ہندوستان کی قدیم زبان سنسکرت اور بعض یورپی زبانوں مثلاً یونانی ،کلٹیک (Celtic)، لاطینی اور المانی یعنی جرمینک (Germanic) نیز فارسی میں حیرت انگیز مماثلت ہے[۴۱]۔اس سے اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ان زبانوں کی اصل ایک ہے اور یہ سب اسی ایک ماخذ سے نکلی ہیں۔ ولیم جونز کی اس تحقیق کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اگلے تقریباً سو سال تک ماہرین اس ماخذ زبان کا کھوج لگانے میں مصروف رہے جس کی اولاد یہ سب زبانیں ہیں[۴۲]۔گویا ولیم جونز کے سنسکرت اور لاطینی و یونانی زبانوں کے ہم رشتہ ہونے کے نظریے نے انسانی زبانوں کے آپس کے رشتوں اور زبانوں کے خاندانوں کے باقاعدہ نظریات کی بنیاد رکھ دی[۴۳]۔

لسانیات (linguistics) سے پہلے زبان کے مطالعے کی سائنس کو فلولوجی (philology) یا علمِ زبان کہا جاتا تھا۔ولیم جونز پہلا آدمی تھا جس نے سب سے پہلے تقابلی فلولوجی کی اصطلاح استعمال کی اور اس طرح اٹھارھویں صدی عیسوی میں تقابلی لسانیات کی بنیادیں رکھیں۔فلولوجی کا لفظ یورپ کی بعض زبانوں میں کسی اور مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ برطانوی انگریزی میں اب یہ لفظ زیادہ تر تاریخی لسانیات(historical linguistics)اور تقابلی لسانیات (comparative linguistics) کے لیے استعمال ہوتا ہے[۴۴]۔ ایلینا بشیر کے مطابق فلولوجی کا لفظ سب سے پہلے ۱۸۳۷ء میں استعمال ہوا[۴۵]۔وہ یہ بھی کہتی ہیں کہ اسے لسانیات یا لنگ وسٹک کا نام ۱۸۵۵ء میں دیا گیا[۴۶]۔لیکن یہ بات کچھ درست معلوم نہیں ہوتی کیونکہ جدید لسانیات کے بانی فرڈی نینڈ سوسیئر (Ferdinand de Saussure۔۱۸۵۷۔۱۹۱۳ء) کے مطابق لسانی مطالعات کا آغاز قواعد سے ہوا اور اس کے بعد اس وقت علمِ زبان یا فلولجی آئی جب فریڈرک اگسٹ وولف(Friedrich August Wolf۔۱۷۵۹۔۱۸۲۴ء) نے ۱۷۷۷ء میں سائنسی تحریک شروع کی تھی اور'' فلولجی'' کا

اطلاق سب سے پہلے اسی تحریک پر ہوا[۴۷]۔لیکن علمِ لسان یا فلولجی کا بنیادی مسئلہ زبان کا ڈھانچا نہیں ہے بلکہ اس کا بنیادی کام متون کو تلاش کر کے ان کی تشریح اور تبصرہ ہے[۴۸]۔اس کام کے لیے ماہرینِ لسان کا اپنا طریقہ ہے جس سے وہ مختلف زمانوں یا مختلف لکھنے والوں کی زبان کی خصوصیات کا تعین کرتے ہیں اور قدیم زمانوں کی یا متروک زبانوں کی تحریروں کی تفہیم کی کوشش کرتے ہیں[۴۹]۔ بے شک فلولجی کی وجہ سے تاریخی لسانیات کی راہ ہموار ہوئی لیکن علمِ لسان پر ایک اعتراض سوسیئر نے یہ کیا کہ یہ غلامانہ حد تک لکھی ہوئی زبان کا تابع ہے اور زندہ زبان کو نظر انداز کر دیتا ہے[۵۰]۔

یہ درست ہے کہ ۱۸۱۶ء میں فرانز بوپ (Franz Bopp۔۱۷۹۱۔۱۸۶۷ء) نے سنسکرت اور جرمینک زبانوں کی مماثلت پر جو کام کیا وہ نیا نہیں تھا اور اس سے قبل ولیم جونز یہ کام کر چکا تھا لیکن بوپ نے یہ دیکھ لیا تھا کہ ان مماثل زبانوں کے کوائف کے مطالعے سے ایک نئے لسانی سائنسی علم کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے[۵۱]۔ بہرحال جدید لسانیات کا آغاز اٹھارھویں صدی عیسوی کے اختتام سے قبل نہیں ہو سکا تھا۔

لسانیات کا دورِ جدید

بیسویں صدی کے آغاز میں جدید لسانیات کا دور شروع ہوا جو بڑی حد تک سوسیئر کا مرہونِ منت ہے۔اس نے تشریحی اور ساختیاتی لسانیات کے بعض اہم تصورات پیش کیے بلکہ اس کے ساختیات کے نظریے نے عمرانیات اور علم البشریات کو بھی متاثر کیا۔ یہ سوئستانی یا سوئس(Swiss)عالم لسانیات کا پروفیسر تھا اور اسے جدید علمِ لسانیات کے بانیوں میں سے ایک کہا جاتا ہے۔ اس کی موت کے بعد اس کے لیکچروں سے لیے گئے نوٹس اس کے شاگردوں نے کتابی صورت میں *Course in General Lingusitics* کے نام سے ۱۹۱۶ء میں شائع کیے۔ بعد ازاں اس کا انگریزی میں ترجمہ ہوا[۵۲]۔

❁

حواشی و حوالہ جات

* (پ:۱۹۵۸ء) پروفیسر (ر)،شعبۂ اردو، یونیورسٹی آف کراچی، کراچی۔

۱۔ ویوین لا [Vivien Law]، *The History of Linguistics in Europe: From Plato to 1600*(کیمبرج: کیمبرج یونی ورسٹی پریس، ۲۰۰۳ء)، ۲۔

۲۔ ڈیوڈ کرسٹل[David Crystal]، *Cambridge Encyclopedia of Language*، (کیمبرج: کیمبرج یونی ورسٹی پریس، ۱۹۹۵ء)، ۴۰۴۔

۳۔ آر ایچ رابنز [R. H. Robins]، *A Short History of Linguistics*(لندن: روٹلج، ۲۰۱۳ء)،۶-۷۔

۴۔ ایضاً، ۷۔

۵۔ میسوپوٹیمیا عراق میں تقریباً چار ہزار سال قبل مسیح میں دریائے دجلہ اور دریائے فرات کے درمیانی علاقے اور آس پاس کے بعض علاقوں پر محیط خطے کا نام تھا ۔ میسوپوٹیمیا کی اصطلاح بنیادی طور پر یونانی زبان کے الفاظ سے بنائی گئی ہے اور اس کے لفظی معنی ہیں ما بین النہرین یا دو دریاؤں کے درمیان ۔ اسی لیے میسوپوٹیمیا کو اردو میں بین النہرین ، فارسی میں میانِ رودان (یا میانِ دو رود) اور عربی میں بلاد الرافدین کہتے ہیں ۔

۶۔ ڈیوڈ کرسٹل[David Crystal]، *Cambridge Encyclopedia of Language*، ۱۹۶ ۔

۷۔ تحریر کی ایجاد اور ارتقا سے متعلق یہ معلومات نیز اگلی سطور میں درج معلومات بھی مختلف مآخذ سے لی گئی ہیں اور کئی کتب میں موجود ہیں مثلاً

پی ای کلیٹر [P. E. Cleator]، *Lost Languages*، (نیو یارک: مینٹر بکس، ۱۹۶۲ء)، باب دوم وسوم۔

وکٹوریا فرامکن و دیگر[Victoria Fromkin et. al]، *An Introduction to Language*(میلبرن: تھامسن، ۲۰۰۵ء)، ۴۸۶۔

ماریو پی[Mario Pei]، *The Story of Language*(لندن: پین بکس، ۱۹۷۹ء)، ۳۶-۴۶۔

شیخ ممتاز حسین جونپوری، خط و خطاطی (کراچی: آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، ۱۹۶۱ء)، باب ۱، ۲۔

محمود علی خان ماہر، علم الحروف یا تحقیقاتِ ماہر (دہلی: ناشر مصنف، ۱۹۳۴ء)، ۳۱-۴۴۔

سید محمد سلیم، اردو رسم الخط (کراچی: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۱ء)، ۱۴۔

۸۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے: حاشیہ ۷، محولہ بالا کتب۔ محمود علی خان ماہر نے اس ضمن میں کچھ تفصیل بھی دی ہے ، مثلاً وہ لکھتے ہیں کہ ابتدا میں تصویر بنا کر حالات اور جذبات کا اظہار کیا جاتا تھا۔ مثلاً ایک بادشاہ کو شیر نے ہلاک کر دیا تو اس واقعے کے بیان کے طور پر ایک تصویر میں شیر اور انسان کو لڑتے ہوئے دکھایا گیا ، یہ تصویری خط کا مادی دور تھا(علم الحروف ،ص ۳۱)۔ اگلے دور میں تصویری خط ارتقا پا کر تصوری رسم الخط (ideogram) میں ڈھل گیا۔ اب تصویر بنانے کی بجائے اشاروں اور تصورات سے کام لیا جانے لگا ، مثلاً دشمنی کے اظہار کے لیے سانپ کو کنڈلی مارے ہوئے دکھایا گیا ، آسمان کے لیے نصف قوس کی شکل بنائی گئی۔ یہ گویا خط کا معنوی دور تھا جس میں مادی اشیا خود اپنی علامت کی بجائے جذبات اور احساسات کی علامت بنیں(ایضاً، ۳۱)۔

۹۔ سید محمد سلیم، اردو رسم الخط، ۱۴۔

۱۰۔ ایضاً، ۱۴؛ نیز وکٹوریا فرامکن و دیگر [Victoria Fromkin et. al]، *An Introduction to Language*، ۴۸۶ ۔

۱۱۔ وکٹوریا فرامکن و دیگر[Victoria Fromkin et. al]، *An Introduction to Language*، ۴۸۶ ۔

۱۲۔ لیونارڈ بلوم فیلڈ[Leonard Bloomfield]، *Language*(لندن: جارج ایلن اینڈ ین ون لمٹیڈ، ۱۹۶۷ء)، ۲۹۳۔

۱۳۔ اسٹیون روجر فشر[Steven Roger Fischer]، *A History of Language*(لندن: ری ایکشن بکس، ۱۹۹۹ء)، ۹۴۔

۱۴۔ ایضاً، ۹۴۔

۱۵۔ ایڈورڈ جی براون[Edward G. Brown]، *A Literary History of Persia*(دہلی: گڈورڈ بکس، ۲۰۰۲ء)، ۶۱ و بعدہٗ ۔

۱۶۔ پی ای کلیٹر [P. E. Cleator]، *Lost Languages*، باب سوم۔

۱۷۔ ایضاً۔

۱۸۔ جے ایف اسٹال[J. F. Staal]، Sanskrit Philosophy of Language، مشمولہ *History of Linguistic Thought and Contemporary Linguistics*، مرتبہ ہرمن پیرٹ[Hermann Parret](برلن: والٹر ڈی گرٹر اینڈ کمپنی، ۱۹۷۵ء)، ۱۰۲۔

۱۹۔ لیونارڈ بلوم فیلڈ[Leonard Bloomfield]، *Language*، ۱۱ ۔

۲۰۔ ایضاً، ۱۱-۱۳۔

۲۱۔ ابواللیث صدیقی، جامع القواعد، حصۂ اول، (لاہور: مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۷۱ء)، ۱۷۔ مرکزی اردو بورڈ کا موجودہ نام اردو سائنس بورڈ ہے۔

۲۲۔ مرزا خلیل بیگ، لسانی مسائل و مباحث (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ، ۲۰۱۷ء)، ۱۷۰-۱۷۱۔

۲۳۔ ایضاً؛ نیز ابواللیث صدیقی، جامع القواعد، ۱۷۔

۲۴۔ ابواللیث صدیقی، جامع القواعد، ۱۷؛ نیز مرزا خلیل بیگ، لسانی مسائل و مباحث، ۱۷۰-۱۷۱۔

۲۵۔ مرزا خلیل بیگ، لسانی مسائل و مباحث، ۱۷۱۔

۲۶۔ ایضاً۔

۲۷۔ ایضاً، ۱۷۰-۱۷۱۔

۲۸۔ ویوین لا[Vivien Law]، *The History of Linguistics in Europe: From Plato to 1600*، ۱۳۔

۲۹۔ ڈیوڈ بوسٹوک[David Bostock]، Plato on Understanding Language، مشمولہ *Companion to Ancient Thought 3: Language*، مرتبہ سٹیفن ایورسن[Stephen Everson]، (کیمرج: کیمرج یونی ورسٹی پریس، ۱۹۹۴ء)، ۱۰-۱۳۔

۳۰۔ کیرن اسٹیفن چنگ[Karen Steffen Chung]، East Asian Linguistics، مشمولہ *The Oxford Handboook of the History of Linguistics*، مرتبہ کیتھ ایلن[Keith Allan] (اوکسفورڈ: اوکسفورڈ یونی ورسٹی پریس، ۲۰۱۳ء)، ۲۱۲۔

۳۱۔ ایضاً۔

۳۲۔ پیٹر میتھیوز[Peter Mathews]، Greek and Latin Linguistics، مشمولہ *History of Linguistics Volume II*، مرتبہ گیلیو سی لپشی[Giulio C. Lipschy]، (نیو یارک: روٹلج، ۱۹۹۴ء)، ۱۔

۳۳۔ ایضاً۔

۳۴۔ ایضاً۔

۳۵۔ ایضاً۔

۳۶۔ رمزی بعلبکی[Ramzi Baalbaki]، *The Legacy of the Kitab* (لیڈن: برل، ۲۰۰۸ء)، xii۔
سیبویہ کی تاریخ و جائے پیدائش اور تاریخِ وفات میں اختلاف ہے۔ لیکن اس کی کتاب کی کئی شرحیں لکھی گئیں اور دبستانِ بصرہ کا شاید ہی کوئی علم ہوگا جس نے الکتاب پر حواشی نہ لکھے ہوں، دیکھیے اردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ، ج۱۱، (لاہور: پنجاب یونی ورسٹی، ۲۰۰۶ء)۔ علامہ عبدالعزیز میمن کے مطابق سیبویہ سے پہلے کسی نے ایسی کتاب نہیں لکھی اور نہ اس کے بعد لکھی گئی، دیکھیے مقالاتِ علامہ عبدالعزیز میمن (لاہور: مجلس ترقیٔ ادب، ۲۰۱۹ء)، مرتبہ: محمد راشد شیخ، ۳۷۶۔ عبدالستار صدیقی نے سیبویہ کی الکتاب سے بعض اقتباسات بھی دیے ہیں جن میں اصوات اور ان کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں، دیکھیے مقالاتِ صدیقی (لاہور: مجلس ترقیٔ ادب، ۲۰۱۵ء)، ج ۲، مرتبہ ساجد صدیق نظامی، ص ۱۶۶-۱۶۸۔

۳۷۔ امل ای مروگی/کیس ورستیغ[Amal E. Marogy/Kees Versteegh] (مرتبین)، *The Foundations of Arabic Linguistics II* (لیڈن: برل، ۲۰۱۵ء)، ۱۔

۳۸۔ جولیٹ بلے ونز[Juliette Blevins]، Natural and Unnatural Sound Patterns، مشمولہ *Naturalness and Iconicity in Language*، مرتبہ کلاس ولیمس اور لڈووِک ڈی کیپیئر (Klaas Willems and Ludovic de Cuypere)، (ایمسٹرڈیم: جان بنجمنز پبلشنگ کمپنی، ۲۰۰۸ء)، ۱۲۳۔

۳۹۔ ڈیوڈ کرسٹل[David Crystal]، *Cambridge Encyclopedia of Language*، ۴۰۴۔

۴۰۔ جیفری فنچ [Geoffrey Finch]، *Linguistic Terms and Concepts* (لندن: میکملن، ۲۰۰۰ء)، ۳۔

۴۱۔ ایضاً۔

۴۲۔ ایضاً۔

۴۳۔ میکال بی پراڈاوسکی [Michal B. Paradowski]، Comparitive Linguistics and Language Pedagogy، مشمولہ: *Multilingualism and Applied Comparitive Linguistics*، مرتبہ: فرینک بوئرس و دیگر [Frank Boers Et al.]، (نیوکاسل: کیمرج اسکالرز پبلشنگ، ۲۰۰۷ء)، ۱۔

۴۴۔ آر ایچ رابنز [R. H. Robins]، *A Short History of Linguistics*، ۱۔

۴۵۔ ایلینا بشیر [Elena Bashir]، Urdu and Linguistics: A Fraught but Evolving Relationship، مشمولہ: *Annual of Urdu Studies*، شمارہ ۲۶، ۹۷-۱۲۳۔

۴۶۔ ایضاً۔

۴۷۔ فرڈی ننڈ ڈی سوسئیر [Ferdinand de Saussure]، *Course in General Linguistics* (لندن: بلوم بری، ۲۰۱۳ء)، ۱۔

۴۸۔ ایضاً۔

۴۹۔ ایضاً، ۱-۲۔

۵۰۔ ایضاً۔

۵۱۔ ایضاً۔

۵۲۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: جان ای جوزف [John E. Joseph]، *Saussure*، (اوکسفورڈ: اوکسفورڈ یونی ورسٹی پریس، ۲۰۱۲ء)۔
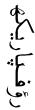
مآخذ

اسٹال، جے ایف [Staal, J. F.]۔ Sanskrit Philosophy of Language۔ مشمولہ *History of Linguistic Thought and Contemporary Linguistics*۔ مرتبہ ہرمن پیرٹ [Hermann Parret]۔ برلن: والٹر ڈی گرٹر اینڈ کمپنی، ۱۹۷۵ء۔

باربر، سی ایل [Barber, C. L.]۔ *The Story of Language*۔ لندن: پین بکس، ۱۹۷۹ء۔

براون، ایڈورڈ جی [Brown, Edward G.]۔ *A Literary History of Persia*۔ دہلی: گڈ ورڈ بکس، ۲۰۰۲ء۔

بشیر، ایلینا [Bashir, Elena]۔ Urdu and Linguistics: A Fraught but Evolving Relationship۔ مشمولہ *Annual of Urdu Studies*۔ شمارہ ۲۶، ۹۷-۱۲۳۔

بعلبکی، رمزی [Baalbaki, Ramzi]۔ *The Legacy of the Kitab*۔ لیڈن: برل، ۲۰۰۸ء۔

بلوم فیلڈ، لیونارڈ [Bloomfield, Leonard]۔ Language۔ لندن: جارج ایلن اینڈ ین ون لمٹیڈ، ۱۹۶۷ء۔

بلے ونز، جولیٹ [Blevins, Juliette]۔ Natural and Unnatural Sound Patterns۔ مشمولہ *Naturalness and Iconicity in Language*۔ مرتبہ کلاس ولیمس/ لڈووک ڈی کیپیئر (Klaas Willems/Ludovic de Cuypere)۔ ایمسٹرڈیم: جان بنجمنز پبلشنگ کمپنی، ۲۰۰۸ء۔

بوسٹوک، ڈیوڈ (Bostock, David)۔ Plato on Understanding Language۔ مشمولہ *Companion to Ancient Thought 3: Language*۔ مرتبہ سٹیفن ایورسن [Stephen Everson]۔ کیمرج: کیمرج یونی ورسٹی پریس، ۱۹۹۴ء۔

بیگ، مرزا خلیل۔ لسانی مسائل و مباحث۔ دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ، ۲۰۱۷ء۔

پراڈاوسکی، میکال بی [Paradowski, Michal B.]۔ Comparitive Linguistics and Language Pedagogy۔ مشمولہ *Multilingualism and Applied Comparitive Linguistics*۔ مرتبہ فرینک بوئرس و دیگر [Frank Boers Et al.]۔ نیوکاسل: کیمرج اسکالرز پبلشنگ، ۲۰۰۷ء۔

پی، ماریو [Pei, Mario]۔ *The Story of Language*۔ لندن: پین بکس، ۱۹۷۹ء۔

ڈی سوسئیر، فرڈی ننڈ [de Saussure, Ferdinand]۔ *Course in General Linguistics*۔ لندن: بلوم بری، ۲۰۱۳ء۔

جوزف، جان ای [Joseph, John E.]۔ *Saussure*۔ اوکسفورڈ: اوکسفورڈ یونی ورسٹی پریس، ۲۰۱۲ء۔

جونپوری، شیخ ممتاز حسین۔ خط و خطاطی۔ کراچی: آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، ۱۹۶۱ء۔

چنگ، کیرن اسٹیفن [Karen Steffen Chung]۔ East Asian Linguistics۔ مشمولہ *The Oxford Handboook of the History of Linguistics*۔ مرتبہ کیتھ ایلن [Keith Allan]۔ اوکسفورڈ: اوکسفورڈ یونی ورسٹی پریس، ۲۰۱۳ء۔

رابنز، آر ایچ [Robins, R. H.]۔ *A Short History of Linguistics*۔ لندن: روٹلج، ۲۰۱۳ء۔

سلیم، سید محمد، اردو رسم الخط (کراچی: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۱ء)۔

صدیقی، ابواللیث۔ جامع القواعد، حصۂ اول۔ لاہور: مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۷۱ء۔

صدیقی، عبدالستار۔ مقالاتِ صدیقی۔ لاہور: مجلس ترقیٔ ادب، ۲۰۱۵ء۔ ج ۲۔ مرتبہ ساجد صدیق نظامی۔

فرامکن، وکٹوریا و دیگر [Fromkin, Victoria Et. al]۔ *An Introduction to Language*۔ میلبرن: تھامسن، ۲۰۰۵ء۔

فشر، اسٹیون روجر [Fischer, Steven Roger]۔ *A History of Language*۔ لندن: ری ایکشن بکس، ۱۹۹۹ء۔

فنچ، جیفری [Finch, Geoffrey]۔ *Linguistic Terms and Concepts*۔ لندن: میکملن، ۲۰۰۰ء۔

کرسٹل، ڈیوڈ [Crystal, David]۔ *Cambridge Encyclopedia of Language*۔ کیمبرج: کیمبرج یونی ورسٹی پریس، ۱۹۹۵ء۔

کلیٹر، پی ای [Cleator, P. E.]۔ *Lost Languages*۔ نیو یارک: میئٹر بکس، ۱۹۶۲ء۔

لا، ویوین [Law, Vivien]۔ *The History of Linguistics in Europe: From Plato to 1600*۔ کیمبرج: کیمبرج یونی ورسٹی پریس، ۲۰۰۳ء۔

ماہر، محمود علی خان۔ علم الحروف یا تحقیقاتِ ماہر۔ دہلی: ناشر مصنف، ۱۹۳۴ء۔

مروگی، امل ای و دیگر [Marogy, Amal E. Et. al] (مرتبین)۔ *The Foundations of Arabic Linguistics II*۔ لیڈن: برل، ۲۰۱۵ء۔

میتھیوز، پیٹر [Mathews, Peter]۔ Greek and Latin Linguistics۔ مشمولہ *History of Linguistics Volume II*۔ مرتبہ گیلیو سی لپشی [Giulio C. Lipschy]۔ نیو یارک: روٹلج، ۱۹۹۴ء۔

میمن، عبدالعزیز۔ مقالاتِ علامہ عبدالعزیز میمن۔ مرتبہ: محمد راشد شیخ۔ لاہور: مجلس ترقیٔ ادب، ۲۰۱۹ء۔